نظام فلکیات، قرآن کی روشنی میں

تحریر:
جناب ڈاکٹر ذاکر نائیک

کائنات کی تخلیق بگ بینگ: فلکی طبیعات کے ماہرین ابتدائے کائنات کی وضاحت ایک ایسے مظہر (Phenomenon) کے ذریعے کرتے ہیں جسے وسیع طور پر قبول کیا جاتا ہے اور جس کا جانا پہچانا نام ''بگ بینگ'' ہے۔ بگ بینگ کے ثبوت میں گذشتہ کئی عشروں کے دوران مشاہدات و تجربات کے ذریعے ماہرین فلکیات و فلکی طبیعات کی جمع کردہ معلومات موجود ہیں۔ بگ بینگ نظریے کے مطابق ابتداء میں یہ ساری کائنات ایک بڑی کمیت کی شکل میں تھی۔ پھر ایک عظیم دھماکہ یعنی ''بگ بینگ'' ہوا جس کا نتیجہ کہکشاؤں کی شکل میں ظاہر ہوا۔ پھر یہ کہکشائیں تقسیم ہوکر ستاوں، سیاروں، سورج، چاند وغیرہ کی صورت میں آئیں۔ کائنات کی ابتداء اس قدر منفرد اور اچھوتی تھی کہ ''اتفاق سے اس کے وجود میں آنے کا احتمال صفر (کچھ بھی) تھا۔

قرآن پاک کی درج ذیل آیات میں ابتدائے کائنات کے متعلق بتایا گیا ہے: ﴿أولم یر الذین کفروا أن السمٰوت والأرض کانتا رتقا ففتقنٰھما﴾ (الانبیآء:۳۰)

''کیا وہ لوگ جنہوں نے (نبی ﷺ کی بات ماننے سے) انکار کردیا ہے غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں جدا کیا''۔ اس قرآنی آیت اور ''بگ بینگ'' کے درمیان حیرت انگیز مماثلت سے انکار ممکن ہی نہیں! یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کتاب جو آج سے 1400 سال پہلے ریگستانوں میں ظاہر ہوئی، اپنے اندر ایسی غیر معمولی سائنسی حقیقت لئے ہوئے ہو؟

کہکشاؤں کی تخلیق سے پہلے، ابتدائی گیسی کمیت: سائنسدان اس پر متفق ہیں کہ کائنات میں کہکشائیں بننے سے بھی پہلے، کائنات کا سارا مادہ ایک ابتدائی گیسی حالت میں تھا مختصر یہ کہ کہکشاؤں سے پہلے، وسیع وعریض (گیسی) بادلوں کی شکل میں وہ مادہ موجود تھا جسے کہکشاؤں کی شکل میں آنا تھا۔ اس ابتدائی کائناتی مادے کی وضاحت میں گیس سے زیادہ موزوں لفظ ''دھواں'' ہے۔ درج ذیل آیت قرآنی میں کائنات کی اسی حالت کو حوالہ ''دخان'' یعنی دھوئیں کا لفظ استعمال کرکے دیا گیا ہے۔

﴿ثم استویٰ الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعاً أو کرھا قالتا

أتينا طائعين﴾ (حم السجدہ:۱۱) ''پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا، اس نے آسمان اور زمین سے کہا: وجود میں آجاؤ، خواہ تم چاہو، یا نہ چاہو، دونوں نے کہا: ہم آگئے فرمانبرداروں کی طرح''۔

ایک بار پھر یہ حقیقت بھی ''بگ بینگ'' کی عین مطابقت میں ہے جس کے بارے میں سیدنا محمد مصطفی ﷺ کی بعثت سے پہلے کسی کو کچھ علم نہیں تھا۔ (بگ بینگ کا نظریہ بیسوی صدی کی یعنی عہد نبوی کے ۱۳۰۰ سال بعد کی پیداوار ہے) اگر اس زمانے میں کوئی بھی اس سے واقف نہیں تھا تو پھر اس علم کا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے۔

زمین کی کروی گولا نمایا (Sphehical) ساخت: ابتدائی زمانے کے لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ زمین چپٹی ہے یہی وجہ ہے کہ صدیوں تک انسان صرف اسی وجہ سے دور دراز کا سفر کرنے سے خوفزدہ رہا کہ کہیں وہ زمین کے کناروں سے گر نہ پڑے۔ سر فرانس ڈریک وہ پہلا آدمی تھا جس نے ۱۵۹۷ء میں زمین کے گرد (سمندر کے راستے) چکر لگایا اور عملاً یہ ثابت کیا کہ زمین گول (کروی) ہے۔ یہ نکتہ ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا درج ذیل قرآنی آیات پر غور فرمایئے جو دن اور رات کے آنے اور جانے سے متعلق ہے: ''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں'' (لقمان:۲۹) یہاں یہ واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کے بتدریج دن میں ڈھلنے اور دن کے بتدریج رات میں ڈھلنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ صرف اسی وقت ہے جس زمین کی ساخت کسی گولے جیسی یعنی کروی ہو۔ اگر زمین چپٹی ہوتی تو رات کے دن میں اور دن کی رات میں تبدیلی بالکل اچانک ہوتی۔ ذیل میں ایک اور آیت مبارکہ ملاحظہ ہو۔ اس میں بھی زمین کی کروی (گول) ساخت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے: ﴿خلق السمٰوٰت و الأرض بالحق یکور اللیل علی النھار علی اللیل﴾ (الزمر:۵) ''اس نے آسمانوں میں زمین کو برحق پیدا کیا۔ وہی دن پر رات اور رات پر دن کو لپیٹتا ہے''۔

یہاں استعمال کئے گئے عربی الفاظ ''کور'' کا مطلب ہے کہ کسی ایک چیز کو دوسری پر منطبق کرنا (ایک چیز دوسری چیز پر) چکر دے کر (کوائل کی طرح) باندھنا دن اور رات کو ایک دوسرے پر منطبق کرنا یا ایک دوسرے پر چکر دینا صرف اسی وقت ممکن ہے جب زمین کی ساخت کروی (گول) ہو۔ زمین کسی گیند کی طرح بالکل ہی گول نہیں بلکہ ''ارضی کروی'' ہے یعنی قطبین پر سے تھوڑی سی پچکی ہوئی ہے۔ درج ذیل آیات مبارکہ میں زمین کی ساخت کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے: ﴿و الأرض بعد ذلك دحاھا﴾ (النّٰزعٰت:۳۰) ''اور پھر زمین کو اس نے بچھایا

ہے" یہاں عربی عبارت "دحٰھا" استعمال ہوئی ہے جسکا مطلب "شترمرغ کا انڈا" شترمرغ کے انڈے کی شکل، زمین کی ارضی کروی ساخت ہی سے مشابہت رکھتی ہے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ قرآن پاک میں زمین کی ساخت بالکل ٹھیک بیان کی گئی ہے، حالانکہ نزول قرآن پاک کے وقت مقبول عام تصور یہی تھا کہ زمین چپٹی ہے۔

چاند کی روشنی، منعکس شدہ روشنی ہے: قدیم تہذیبوں میں یہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ چاند اپنی روشنی خود خارج کرتا ہے۔ (یعنی از خود روشن ہے) سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ چاند کی روشنی، منعکس شدہ روشنی ہے۔ تاہم یہ حقیقت آج سے چودہ سو سال پہلے، قرآن پاک کی درج ذیل آیات مبارکہ میں بیان کردی گئی۔ ﴿**تبارك الذی جعل فی السماء بروجاً و جعل فیھا سراجاًو قمراً منیراً**﴾(الفرقان: ۶۱) "بڑا متبرک ہے وہ جس نے آسمان میں برج بنائے اور اس میں ایک چراغ اور ایک چمکتا چاند بنایا۔" قرآن پاک میں سورج کیلئے عربی لفظ "شمس" استعمال ہوا ہے۔ البتہ اسے (سورج کو) سراج بھی کہا جاتا ہے۔ جسکا مطلب ہے مشعل (ٹارچ) جب کہ بعض مواقع پر اسے "وہاج" بمعنی جلتا ہوا چراغ یا جلتا ہوا دیا کے الفاظ میں بھی بیان کیا گیا ہے جسکا مفہوم "چمکتی ہوئی شان وعظمت" ہے مذکورہ تینوں وضاحتیں سورج کیلئے بالکل مناسب ہیں کیونکہ اسکے اندر احتراق کا زبردست عمل ہر وقت جاری رہنے کی وجہ شدید حرارت اور روشنی خارج ہوتی رہتی ہے۔

چاند کیلئے قرآن پاک میں عربی لفظ "قمر" استعمال کیا گیا ہے اور اسے بطور "منیر بیان کیا گیا ہے ایک جسم جو "نور" دیتا ہو۔ یعنی منعکس شدہ روشنی دیتا ہو۔ ایک بار پھر قرآن پاک کی پیش کردہ وضاحت چاند کی اصل نوعیت سے پوری طرح میل کھاتی ہے کیونکہ بلاشبہ، چاند کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہے بلکہ یہ سورج کی روشنی کو منعکس کرتا ہے، اور ہمیں روشن دکھائی دیتا ہے، قرآن پاک میں ایک مرتبہ بھی چاند کیلئے سراج، وہاج یا اس کے جلنے جیسے الفاظ استعمال نہیں ہوئے اور نہ ہی سورج کو نور یا منیر کہا گیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں سورج اور چاند کی روشنی کے درمیان بہت واضح فرق رکھا گیا ہے جو قرآن پاک میں آیات مبارکہ کے مطالعہ سے واضح طور پر نظر آتا ہے۔ درج ذیل آیات میں سورج اور چاند کی روشنی کا فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ ﴿**ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمرً نوراً**﴾ (یونس:۵) "وہی ہے جس نے سورج کو اجالا بنایا اور چاند کو چمک دی۔" ﴿**ألم تروا کیف خلق الله سبع سمٰوٰت طباقاً وجعل القمر فیھن نوراً و جعل الشمس سراجاً**﴾(نوح:۱۵،۱۶) "کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہہ برتہہ بنائے اور ان میں چاند کو نور اور سورج کو چراغ بنایا۔"

ان آیات مبارکہ کے مطالعے سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن عظیم اور جدید سائنس میں اور چاندنی کی ماہیت کے بارے میں مکمل اتفاق رائے ہے۔